500

513

500002

5000

500

50

5

بسم اللہ الرحمن الرحیم

Acc. No.
660

صدائے حق

مولفہ اور مرتبہ

محسن خاں ادیب فاضل

ایوارڈ یافتہ صدر جمہوریہ ہند

کاؤلی۔ ضلع نیلور۔ (اے پی)

۱۰	ایک
۱۱	گیا
۱۲	ہف
۱۳	در
۱۴	کر

ناشر

مکتبہ نور مسلم پورہ۔ کاؤلی۔ ۵۲۴۲۰۱ ضلع نیلور اے پی

(جملہ حقوق بحق مؤلف محفوظ ہیں)

نام کتاب:- صدائے حق

نام مؤلف:- حسین خاں

بار:- اوّل

تعداد:- ۷۸۶

خوشنویس:- حافظ محبوب الرحمٰن قاسمی بجنوری۔

طباعت:- دائرہ پریس حیدرآباد

قیمت:- (   )

ملنے کے پتے

ظفر بکڈپو۔ کچہری مٹ 10-49-64، کاوَلی 524201

رحیمیہ بکڈپو۔ لالہ پیٹ۔ انجمن بلڈنگ گنٹور۔ 522003

کتب خانہ انجمن ترقی اردو جامع مسجد دہلی۔ 110006

گوہر بکڈپو 322 قائد ملت ہائی روڈ مدراس۔ 600005

نذیر بکڈپو 323 " " "

ابو اسعد بک سیلر۔ شاہ بازار۔ محبوب نگر۔ 509001

یم۔ پی۔ جنرل اسٹور۔ احمدی بازار۔ نظام آباد 503001

ریلائنس بک سیلر۔ منڈی بازار۔ ورنگل۔ 506012

امام مدینہ مسجد۔ دھرماورم 51:671

سب ڈپو مرکزی مکتبہ جماعت اسلامی چھتہ بازار حیدرآباد 500002

دفتر مجلس علمیہ [illegible] چادرگھاٹ۔ حیدرآباد۔ 500024

ہمالیہ بک ڈسٹری بیوٹر۔ یم جے روڈ۔ حیدرآباد 500001

جاوید جنرل اسٹور۔ بس اسٹانڈ روڈ کھمم 507001

ضیاء بک ڈپو۔ کرنول ~~5[illegible]533~~

یونیورسل بک اسٹال۔ محبوب چوک حیدرآباد 500002

باسمہ تعالیٰ

حسن ترتیب صدائے حق

شمار	مضامین	صفحہ
۱	سخن اولین	۵
۲	مقدمہ	۷
۳	تقریظ	۱۰
۴	مذہبی رہنما	۱۱
۵	ہیرا اور پتھر	۱۴
۶	حیرت انگیز مشین	۱۵
۷	سربلندی کا راز	۱۶
۸	عبادت خانہ اور قمار خانہ	۱۷
۹	عروج اور زوال	۱۸
۱۰	ایک غیبی آواز	۱۹
۱۱	کنول کا درس	۲۰
۱۲	مضغۂ گوشت	"
۱۳	درس عبرت	۲۱
۱۴	کردار میں تبدیلی	۲۲
۱۵	سکون کی تلاش	۲۳
۱۶	دولت کی حقیقت	۲۴
۱۷	جدوجہد	[illegible]

شمار	مضامین	صفحہ
۱۸	دو گز زمین	۲۵
۱۹	حکومت اور دولت ایک فریب	۲۷
۲۰	پریشان قبریں	۲۹
۲۱	انسے سفاک سرمایہ دار	"
۲۲	میں خدا ہوں	۳۱
۲۳	سکون کسی کو حاصل نہیں	۳۲
۲۴	یہ کس کی بستی ہے!	۳۳
۲۵	خدائی قوت کا دعویدار	۳۴
۲۶	دنیا کے حسین جوڑے	۳۵
۲۷	ایک بیکی بیگم مغنیہ	۳۶
۲۸	نصیحت آموز [illegible]	۳۸
۲۹	[illegible] اور [illegible]	۴۲
۳۰	[illegible] اور [illegible]	[illegible]

شمار	مضامین	صفحہ
۳۱	روحانی سربلندی	۴۴
۳۲	حقیقی لگاؤ	۴۵
۳۳	عبرت انگیز نظارہ	۴۶
۳۴	زندگی ایک سراب ہے	۴۷
۳۵	بھلے اور برے کی پہچان	۴۹
۳۶	عبرت کا نشان	۵۰
۳۷	پھول اور کانٹے	۵۲
۳۸	درخت سے ایک سبق	۵۳
۳۹	پتھر کا غرور	۵۵
۴۰	غریبوں کی دولت	۵۷
۴۱	فکر معاش	۵۸
۴۲	اچھا سماج	//
۴۳	انسان کی اصلیت	۶۰

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سخنِ اوّلین

الحمد للہ وکفٰی وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفٰی

امّا بعد:-

یہ چھوٹی سی کتاب جو اس وقت آپکے ہاتھ میں ہے۔ جس میں ایسے ناصحانہ اور اخلاقی مضامین موجود ہیں جن کا ہر ٹکڑا قلب سے بلند ہونے والی ایسی آواز ہے، جو دل گرماتی اور روح کو بیدار کرتی ہے اور آنکھوں کے سامنے سے تاریکی کے پردے ہٹا دیتی ہے۔

درحقیقت یہ مضامین نہیں بلکہ حساس قلب کے ٹکڑے ہیں جو کاغذ پر بکھرے پڑے ہیں۔ ان ٹکڑوں میں سے ہر ٹکڑے میں ایک درس حقیقت پوشیدہ ہے۔ لیکن ان سے وہی صاحب دل، کیف حاصل کر سکتے ہیں جن کی آنکھیں کھلی ہوئی ہوں۔

معصیت کے طوفان میں بہہ جانے والے اور نفس پرستی کے سیلاب میں ڈوب جانے والے انسانوں کا کیا انجام ہوگا جان کر، ان سے درس عبرت حاصل کرنے کیلئے نہایت ہی کارآمد اور بیش بہا مضامین کا مجموعہ ہے۔

مجھے امید ہے کہ ان اخلاقی شذرات کو ہمارے قارئین نہایت پسندیدہ اور قدر کی نگاہوں سے دیکھیں گے اور ان کو اپنی زندگی میں اپنانے کی سعی کریں گے خصوصاً نونہالان چمن کیلئے

-

تو یہ نصائح سے بھرا ہوا عبرت آموز مجموعہ یقیناً ایک گلدستہ کا کام دے گا۔

باری تعالیٰ سے دعا ہے کہ یہ حقیر سی کوشش عوام کی اصلاح اور ہماری آخرت کی نجات کا وسیلہ بنے

آمین یا رب العالمین

السلام علیٰ من اتبع الہدیٰ

کاوَلی: مسلم پورہ
مورخہ: ۲۳،۵،۹۳ء

احقر
حسین خان عفی عنہ
۱، ذی الحجہ ۱۴۱۳ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ

ڈاکٹر سید صفی اللہ
ریڈر، شعبۂ عربی، فارسی و اردو، مدراس یونیورسٹی
ممبر اکیڈمک کونسل و ممبر سینٹ، مدراس یونیورسٹی

اردو دنیا میں الحاج بی حسین خاں صاحب کی شخصیت محتاج تعارف نہیں ہے۔ چھوٹی بڑی کم و بیش ستر کتابوں کے مصنف ہیں اور ان کی کچھ کتابیں تلگو زبان میں بھی ترجمہ ہو کر قبول عام کی سند حاصل کر چکی ہیں۔ اس سے ان تصانیف کی قدر و قیمت کا اندازہ ہوتا ہے۔ ان کی یہ تمام کتابیں بچوں کے ادب میں صحت مند اضافہ کی حیثیت رکھتی ہیں اور طلبہ کی ضرورتوں کے پیش نظر اور ان کی فلاح و بہبودی کی خاطر لکھی گئی ہیں۔ اسی ایک بات سے ہم سوچ سکتے ہیں کہ طلبہ کے لئے ان کے دل میں کتنا درد اور کتنی محبت ہے۔ بابائے اردو ڈاکٹر عبدالحق مرحوم کا یہ کلیہ کہ کسی مصنف کے اخلاق و عادات کا پتہ اس کی تصانیف سے کیا جا سکتا ہے۔ جناب حسین خاں پر پوری طرح صادق آتا ہے۔ حسین خاں صاحب ایک ایسے استاد ہیں جن کے پاس اپنا پیشہ ہر دوسری چیز کے مقابلے میں افضل و برتر رہا ہے۔ ملت کے نونہالوں سے ان کی انتہائی محبت اور ان کے مستقبل کی فکر ہی

ہے جس نے ان سے مشعلِ راہ، نقوشِ راہ، نایاب جواہر اور ذہانت کے چراغ جیسی کتابیں لکھوائیں جو سبق آموز واقعات اور کارآمد انشائیوں پر مشتمل ہیں۔

انھیں جتنی فکر نونہالانِ قوم کی ہے اتنی ہی زبان و ادب کی تعلیم و تدریس کی بھی ہے۔ اس کا ثبوت ان کی حفیظ القواعد ہے۔ آج کل جس بہتات کے ساتھ زبان و بیان کی غلطیاں طلبہ میں نظر آرہی ہیں اس کی ایک وجہ قواعد سے ان کی ناواقفیت اور عدم دلچسپی ہے۔ زمانۂ دراز سے اردو قواعد کے لئے ابتدائی درجوں سے لے کر اعلیٰ درجوں تک مولوی عبدالحق صاحب کی لکھی ہوئی ایک ہی کتاب نصاب میں چلی آرہی ہے۔ اصل کتاب تو کافی ضخیم ہے اس کا جو ملخص ہے وہ بھی اس ضخیم جلد کی نہج پر ہے جو آج سے کم و بیش پچاس سال پیشتر لکھی گئی تھی۔ لہٰذا اس بات کی ضرورت شدت سے محسوس کی جا رہی تھی کہ بدلتے ہوئے حالات اور جدید تقاضوں کو سامنے رکھتے ہوئے اردو قواعد کو از سرِ نو ترتیب دیا جائے۔ حسین خاں صاحب کی کتاب حفیظ القواعد اس سمت میں ایک ہلکی سی کوشش ہے بظاہر ایک چھوٹی سی کتاب ہے لیکن افادیت کے لحاظ سے بہت وقیع ہے۔ تبھی تو اس نے کم مدت میں جنوبی ہند کے تمام اضلاع میں اپنی مقبولیت کے جھنڈے گاڑ دیئے ہیں۔

پیشِ نظر کتاب صدائے حق بھی قوم کے نونہالوں سے ان کے جذبۂ محبت کا ثبوت ہے۔ چھوٹے چھوٹے نصیحت آموز مضامین

کا یہ گلدستہ یقیناً اس قابل ہے کہ اسے اخلاقی تعلیم کی گھنٹیوں میں پڑھایا جائے۔ موجودہ سیکولر نظام تعلیم کے اندر اخلاقی تعلیم کی گھنٹیوں میں مذہبی کتابوں سے کام نہیں لیا جا سکتا۔ اور ایسی کتابیں جو اس مقصد کے لئے استعمال کی جا سکیں اور جو مذہبی رنگ سے آزاد ہوں اردو میں قریب قریب نایاب ہیں۔ ان حالات میں جناب حسین خاں صاحب کی اس کتاب کو نعمت غیر مترقبہ سمجھنا چاہئے۔ یہ اور اس سے پہلے چھپی ہوئی ان کی کچھ کتابیں اس راہ میں بڑی کارآمد ثابت ہو سکتی ہیں۔

مجھے امید ہے کہ یہ کتاب قدر کی نگاہ سے دیکھی جائے گی۔

مدراس یونیورسٹی
۲۵ مارچ ۹۳ء

صفی اللہ
(سید صفی اللہ)

تقریظ

محترم مولانا سید اکبر صاحب حیدرآبادی
مہتمم جامعہ اسلامیہ عربیہ بھونگیر۔ آندھرا پردیش

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمدللہ تعالیٰ میں نے جناب پی حسین خانصاحب کی جدید تالیف بنام "صدائے حق" از ابتدا تا انتہا دیکھی۔ مختصر اور جامع عنوانات کے تحت عبرت آموز واقعات و نصائح سے بھرپور مختصر مختصر مضامین کا انتخاب جو بڑا لاجواب اور دلچسپ ہے۔ پڑھنے والوں کیلئے ذہن نشین کرنے اور اس سے نتائج نکالنے میں اور اس پر عمل پیرا ہونے میں بڑی سہولت ہے۔ خدائے تعالیٰ مؤلف کی اس مساعی جمیلہ کو قبول فرماکر اس کے افادہ اور استفادہ کو عام فرمائے۔ آمین۔

سید اکبر حیدرآبادی غفرلہ
مہتمم جامعہ اسلامیہ عربیہ بھونگیر
۲۴، شعبان ۱۴۱۲ھ مطابق
۲۹، فروری ۱۹۹۲ء

دفتر مجلس علمیہ
29-2-92

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مذہبی رہنما

مذہبی رہنما ایک بڑے مجمع کے سامنے تقریر کر رہا تھا۔ لوگ اس کی باتیں ایسی عقیدت کے ساتھ سن رہے تھے جیسے وہ صحیفۂ آسمانی کا ترجمان ہو۔

مذہبی رہنما حاضرین سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا کہ:

"اے دنیا کے پرستارو! اگر ابدی زندگی چاہتے ہو تو دنیا اور دنیا کے جھگڑوں سے اپنے آپ کو علیحدہ رکھو۔ کیونکہ جب کوئی انسان دنیا میں پھنس جاتا ہے تو وہ اس حقیقی روشنی سے محروم ہو جاتا ہے جو انسان کو ابدی راحتوں کی طرف لے جاتی ہے۔"

رہنما پورے جوش و خروش کے ساتھ تقریر کرتا رہا اور تقریر کے خاتمے پر اس نے مجمع کو نصیحت کی کہ

"دنیا ایک لعنت ہے اسے چھوڑ دو تاکہ تم کو روحانی اور ابدی مسرتیں حاصل ہو سکیں۔"

ایک غریب عورت جو اسی مجمع میں بیٹھی تھی اس نے آگے بڑھ کر رہنما کے قدم چومے اور اپنے دبلے پتلے کمزور بچے کو رہنما کے سامنے ڈالتے ہوئے کہا۔

"اے مقدس رہنما میری دنیا یہ چھوٹا سا بچہ ہے میں اسے کیونکر چھوڑ سکتی ہوں۔ کیا اسے دنیا میں ٹھوکریں

کھانے کیلئے چھوڑ دینا بدترین گناہ نہیں۔
اس کے بعد ایک نوجوان اٹھا اور اس نے رہنما سے کہا کہ۔
اے مقدس رہنما میری ماں اندھی ہے میں دن بھر مزدوری کرتا ہوں اور باقی وقت اپنی بوڑھی اور معذور ماں کی خدمت میں گزارتا ہوں۔ کیا اس بے بس کو تنہا چھوڑ دینا ظلم نہیں۔
ایک ادھیڑ عمر اٹھا اور اس نے کہا:۔
میرا باپ اپاہج ہے اور میرے چھوٹے چھوٹے چار معصوم بچے ہیں۔ میرا تمام وقت ان ہی کی خدمت گزاری اور فکر معاش میں ہی صرف ہو جاتا ہے۔ اگر میں ان کی دیکھ بھال نہ کروں تو یہ کیسے زندہ رہ سکتے ہیں۔ اے مذہبی رہنما کیا ان کو بے سہارا چھوڑ دینا بنی نوع انسان پر ظلم نہیں ہے۔ بلکہ میں سمجھتا ہوں کہ ان کی خدمت ہی سب سے بڑی مذہبی اور اخلاقی خدمت ہے۔"
ایک دنیادار جو مجمع میں بیٹھا ہوا یہ باتیں سن رہا تھا۔ اس سے خاموش نہ رہا گیا اور اس نے مذہبی رہنما سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا:۔
"اے مذہبی رہنما عبادت بلاشبہ ایک اچھی چیز ہے اور فرض ہے۔ لیکن اس کے ساتھ دوسرا بھی بڑھ کر فرض مخلوق خدا کی خدمت ہے"
دنیادار نے مجمع کی طرف مخاطب ہوتے ہوئے کہا:۔

"اے خدا کے بندو! ابدی راحت صرف ان کیلئے مخصوص نہیں ہے جو مسجدوں میں بیٹھے ہوتے ہیں اور جو عبادت خانوں میں زندگیاں گزار رہے ہیں، بلکہ ابدی راحت انکے لئے بھی ہے، جو قوم، ملک اور ابنائے وطن کے لئے قربانیاں دے رہے ہیں"۔

"نا بر تنگ نظر سمجھتا ہے کہ محض تسبیح کے دانوں کو حرکت دینے سے ابدی راحت مل سکتی ہے لیکن حقیقت شناس آنکھ کہتی ہے کہ ابدی زندگی انکے لئے بھی ہے جن کی زندگیاں بنی نوع انسان کی خدمت کیلئے وقف ہیں۔ ابدی راحت انکے لئے ہے جو دکھے ہوئے دلوں پر مرہم رکھتے ہیں، جو ٹوٹے ہوئے دلوں کو جوڑتے ہیں اور جو بے کسوں اور مجبوروں کیلئے سہارا بنتے ہیں"۔

دنیا جار تقریر کرتے کرتے جوش میں آگیا اور اس نے پرجوش الفاظ میں کہا:۔

"اے مذہبی رہنما لوگوں کو صرف خانقاہوں اور عبادت خانوں میں بیٹھنے کی تعلیم نہ دے، بلکہ ان کو خانقاہوں سے نکال کر باہر لا اور اس قابل بنا کہ وہ بنی نوع انسان کی خدمت کر سکیں تاکہ وہ دین کیساتھ دنیا کو بھی سنوار سکیں۔ کیونکہ یہی حقیقی عبادت ہے۔ یہی ریاضت ہے۔ اور یہی انسانی زندگی کا وہ اعلیٰ معیار ہے جسے اسلام نے پیش کیا ہے۔

~~ مصلحت در دین عیسیٰ غار و کوہ
(علامہ اقبال)
مصلحت در دین ما جنگ و شکوہ
(مفتی شوکت علی فہمی)

ہیرا اور پتھر

زمین کی تہ میں رنگ برنگ کے پتھروں کا انبار دبا ہوا ہے۔ ان پتھروں میں ایسے ناکارہ پتھر بھی ہیں جنہیں کوئی دو کوڑی کو بھی نہیں پوچھتا، اور ایسے قیمتی پتھر بھی ہیں جن کو جواہرات کہا جاتا ہے اور جن کی قیمت لاکھوں روپے ہیں۔

قدرت کی کرشمہ سازی عجیب ہے وہ اسی زمین سے جواہرات بھی پیدا کرتی ہے اور ناکارہ پتھر بھی مگر دونوں میں کتنا فرق ہے۔

میری یہ بات سن کر ایک غیبی آواز نے کہا۔

"اے نا سمجھ انسان تجھے معلوم ہونا چاہئے کہ ہیرے اور پتھر کی اصل اور ابتدا ایک ہی ہے۔ دونوں زمین کے بطن سے پیدا ہوتے ہیں، مگر چونکہ ہیرے اور پتھر آفتاب کی نورانی شعاعوں کو اپنے اندر جذب کر لینے کی صلاحیت رکھتے ہیں وہ جواہرات بن جاتے ہیں اور جو اس صلاحیت سے محروم ہیں وہ پتھر کے پتھر ہی رہ جاتے ہیں۔

پھر اس غیبی آواز نے کہا:۔

"بالکل یہی حالت انسان کی بھی ہے چنانچہ جو انسان اپنے دل و دماغ کو روشن کر لیتے ہیں وہ صحیح معنوں میں انسان بن جاتے ہیں اور جو اس سے محروم رہ جاتے ہیں وہ انسان کہلانے کے باوجود جانور ہی رہتے ہیں۔ قدرت نے انسان کو بڑی صلاحیت

عطا کی ہے۔ اگر وہ اس صلاحیت سے فائدہ اٹھاتا ہے تو ہیرا بن جاتا ہے۔ ورنہ پتھر کا پتھر ہی رہتا ہے۔

اگرچہ سنگ و جواہر دونوں کانوں سے نکلتے ہیں
مگر قیمت میں ان کی انتہائی فرق ہوتا ہے۔

(دین و دنیا)

حیرت انگیز مشین

انسانی دماغ قوت کا وہ حیرت انگیز خزانہ ہے جو فطری طور پر ہر آدمی کو ملا ہے۔ وہ کسب اور جستجو کے بغیر ہی فطری طور پر ہر ایک کے حصے میں آیا ہے۔ اس خزانے کے ہوتے ہوئے کوئی بھی شخص مفلس و کنگال ہو سکتا ہے اور نہ دوسروں سے کمزور، خواہ ظاہری سامان کے اعتبار سے وہ کتنا ہی زیادہ مفلس اور کمزور دکھائی دیتا ہو۔

دماغ کی صورت میں سب سے زیادہ قوی مشین آپ کے پاس موجود ہے، یہ ایسی حیرت انگیز مشین ہے جس کی مثال ہماری کائنات میں آپ کو کہیں نہیں ملے گی۔ روئے زمین پر رہنے والی جتنی بھی مشینیں ہیں وہ سب اس کی مرہون منت ہیں۔ اس حیرت انگیز مشینی خزانے کو آپ استعمال کیجئے اور اس کے اندر پوشیدہ رہنے والے امکانات کو بروئے کار لانے کی سعی کیجئے، اور پھر کبھی آپ کو ناکامی کا منہ دیکھنا نصیب نہ ہوگا۔ اور کبھی شکایت نہ ہوگی۔

کسی بھی شخص نے اس دنیا میں فتح و کامرانی حاصل کی ہے تو وہ اسی دماغی طاقت کا استعمال کر کے ہی حاصل کی ہے۔ قدرت

کی دی ہوئی یہ عظیم قوت آپ کے پاس موجود ہے۔ اس کو آپ کام میں لائیے۔ اور اس سے فائدہ حاصل کیجئے۔ ناکامی آپ کے قریب کبھی نہیں بھٹکے گی۔

کامیابی کی سربلندی اس انتظار میں ہے کہ آپ وہاں پہنچیں اور اپنے آپ کو اس کے اوپر کھڑا کر دیں۔ پھر یونہی کیوں؟ اور شکایت کس لئے؟

سربلندی کا راز

اللہ اللہ دنیا کی ادنیٰ سے ادنیٰ اور حقیر سے حقیر چیزوں کو بھی کیا عروج حاصل ہو جاتا ہے۔ کاغذ کا ایک پرزہ جس کی کوئی حقیقت نہ تھی جب اس پر کلام الٰہی کی آیت لکھ دی گئی تو اس کی عظمت کس قدر بڑھ گئی۔ ایک پتھر کے بے حقیقت ٹکڑے کو تراش کر جب مسجد کے محراب میں لگا دیا گیا تو اسے کیسی سربلندی حاصل ہو گئی۔ ایک ادنیٰ سی لکڑی کو جب ایک خدا رسیدہ بزرگ کا عصا بننے کی سعادت نصیب ہوئی تو لوگ اسے آنکھوں سے لگانے لگے۔ ایک ٹاٹ کا ٹکڑا جب مسجد کا فرش بن گیا تو اس پر سجدے ہونے لگے اور اسے وہ عظمت حاصل ہو گئی جو قیامت تک کسی مخملی فرش کو بھی حاصل نہیں ہو سکتی۔ وہی اینٹ اور چونا جو کوئی حیثیت نہیں رکھتا لیکن ایک عبادت خانے میں لگ گیا تو اس کی وقعت بڑھ گئی۔

اے نادان انسان! جس طرح یہ حقیر چیزیں باعث عظمت

بن سکتی ہیں اُسی طرح حقیر سے حقیر انسان بھی قابلِ تعظیم و تکریم بن سکتا ہے بشرطیکہ وہ اپنے اندر کوئی باطنی جوہر پیدا کر سکے۔

عبادت خانہ اور قمار خانہ

اینٹ، چونے اور مٹی کے ڈھیر سے قمار خانہ بنتا ہے اور اسی سے عبادت خانے کی بھی تعمیر کی جاتی ہے۔ دونوں اسی زمین پر تعمیر کیے جاتے ہیں۔ اور ایک ہی طرح اور ایک مسالے سے ان کو بنایا جاتا ہے، لیکن جب یہ عمارتیں بن کر تیار ہو جاتی ہیں تو ایک کو تو لوگ بڑی حقارت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور دوسری عمارت میں جا کر بڑے احترام سے سجدے کرتے ہیں۔ جب یہ بھی مٹی کا ڈھیر ہے اور وہ بھی مٹی کا ڈھیر ہے تو ایک کو کیوں مقدس سمجھا جاتا ہے اور دوسرا کیوں حقارت سے دیکھا جاتا ہے۔

ان کی عظمت و ذلت کے راز پر جب تم غور کرو گے تو پتہ چلے گا کہ ایک وجہاں پرستانِ حق کی موجودگی نے قابلِ احترام بنا دیا ہے، وہاں دوسری عمارت کو اوباشوں اور بدقماشوں کی صحبت نے اسے رسوا کر دیا ہے۔

اے گوشت و پوست کے ڈھیر انسان تیری حالت بھی ان عمارتوں جیسی ہے۔ اگر تیرے دل و دماغ میں پاک خیالات ہیں تو دنیا تجھے احترام کی نگاہ سے دیکھے گی اور اگر تو نفسیانی خواہشات کا غلام بن گیا تو تجھے ذلت کی نظر سے دیکھا جائے گا۔ اب تجھے اختیار ہے کہ خواہ تو ذلت حاصل کر یا اپنے آپ کو احترام کے لائق بنا لے۔

عروج اور زوال

خاک کے وہ حقیر ذرّے جنھیں کوئی پوچھتا بھی نہ تھا۔ جب آندھی کا ایک طوفان انھیں زمین سے اٹھا کر فضا کی بلندی میں لے گیا اور وہ انسانی سروں پر رقص کرنے لگے تو یہ اپنی ہستی اور حقیقت کو بھول گئے اور انھوں نے یہ سمجھ لیا کہ سربلندی اور عروج ہمیشہ حاصل رہے گا۔

تھوڑی ہی دیر بعد جب یہ طوفان کم ہوا اور فضا میں سکون پیدا ہو گیا تو وہی حقیر ذرّے جو فضا میں بڑے غرور سے رقص کر رہے تھے پھر زمین پر آن پڑے اور بدستور پیروں تلے روندے جانے لگے۔ جب ان ذرّوں کو پیروں سے کچلا جا رہا تھا تو کوئی ان سے کہہ رہا تھا۔

اے خاک کے ذرّو! اپنے عارضی عروج کا انجام دیکھ لو۔" انسانی ضمیر نے جب یہ آواز سنی تو اس نے دنیا والوں سے کہا "یہ عروج و زوال سرتاپا فریب ہے۔ بے بنیاد عروج کبھی باقی نہیں رہتا، اے لوگو! تم جو آج عارضی عروج کے غرور میں مبتلا ہو، نہیں کہا جاسکتا کہ خاک کے ذرّوں کے عارضی عروج کی طرح کب تمہارا عروج بھی ختم ہو جائیگا۔"

ایک غیبی آواز

اس نے دولت پیدا کرنے کے معاملے میں کبھی جائز و ناجائز کی پروا نہیں کی اور چند سال کے اندر ہی اندر وہ ایک بہت بڑی دولت کا مالک

بن گیا۔ وہ اپنی کامیابی پر بے حد مسرور تھا۔ اس کی دولتمندی میں دن بدن اضافہ ہوتا چلا گیا، لیکن جوں جوں وقت گزرتا رہا اس کی عمر گھٹتی چلی گئی۔

اور ایک غیبی آواز برابر اسے ٹوکتی رہی کہ اے میرے سرمایہ دار اے دولت کے متلاشی، اس بات کو نہ بھول کہ وقت کے ساتھ ساتھ جہاں تیری دولت بڑھ رہی ہے وہاں عمر گھٹ رہی ہے۔ یہ نہ بھول کہ فضا میں جتنی بھی تیری سانسیں منتشر ہو چکی ہیں انھیں تو بڑی سی بڑی قیمت دے کر بھی واپس نہیں حاصل کر سکتا۔

انسان کس قدر نا سمجھ اور نادان ہے کہ وہ زندگی کے بہترین سرمایے کو لٹانے کے بعد سونا، چاندی، اینٹ اور پتھر کے ڈھیر پر فخر کرتا ہے حالانکہ جس روز آخری سانس ختم ہو جائیگی دولتمندی کا یہ سارا تماشا بے معنی ہو کر رہ جائے گا۔ انسان کو چاہئے کہ وہ ہر سانس اور ہر لمحے کی قدر کرے اور اسے نیک کاموں میں صرف کرے کیونکہ آخرت کا سکون صرف انھیں کے لئے ہے جن کی زندگیاں نیک کاموں میں صرف ہوتی ہیں۔

کنول کا درس

کنول کا خوشنما پھول پانی پر تیر رہا تھا۔ ہوا کے تند اور تیز جھونکے اُسے ڈبونے کی فکر میں تھے۔ لیکن کنول کا پھول اپنے آپ کو سنبھالے رہا۔ اور اس نازک پھول نے بڑی مردانگی سے ہوا کے تند جھونکوں کا مقابلہ کیا اور ایسا مقابلہ کیا کہ ہوا کے تھپیڑے انتھک کوشش کے باوجود کنول کو ڈبونے میں کامیاب نہ ہو سکے۔

اور اس بچّہ کی ماں ایک جوان اور تنومند عورت تھی جو اس بے
قیقت کیڑے کو خون جگر پلا کر پرورش کر رہی تھی۔ ایک زمانے کے بعد
ں نے دیکھا کہ یہ بے حقیقت کیڑا تو ایک قوی ہیکل جوان بن گیا ہے۔
یکن تنومند عورت جس نے کہ اس نوجوان کو خون جگر پلا کر پالا تھا بڑھاپے
ر کم طاقتی کی وجہ سے ایک زندہ لاش بن گئی ہے۔
میں نے یہ نظارہ دیکھا تو میرے دل نے کہا "خداوندا تیری کرشمہ
سازیاں کس قدر عجیب ہیں کہ تو بے حقیقت کیڑوں کو قوی ہیکل انسان
نا دیتا ہے اور جنھوں نے کہ ان کیڑوں کو جنم دیا ہے اور انہیں توانائی
طا کی ہے انہیں نیم مُردہ بنا دیتا ہے۔"
رت نے جواب دیا کہ "اے انسان! ان انقلابات میں تیرے
لئے ایک درس عبرت پوشیدہ ہے ان سے سبق لے۔"

کردار میں تبدیلی

پانی مدتوں سمندر میں پڑا رہا جب وہ کھاری سمندر میں
رے پڑے گھبرا گیا تو اس نے بادلوں کی آغوش میں جا کر پناہ لی۔ بادل
ں پانی کو لئے ہوئے فضا میں اِدھر اُدھر بھرتے رہے۔ کچھ مدت کے
عد بادلوں نے اس پانی کو زمین پر برسا دیا۔ جب سمندر کا یہ پانی
دلوں سے زمین پر آیا تو لوگوں نے دیکھا کہ اب اس میں سمندر کی
ورریت باقی نہ تھی، بلکہ اس پانی میں ایک خاص قسم کی شیرینی پیدا
و چکی تھی۔

پانی سے جب اس تبدیلی کا سبب پوچھا گیا تو اس نے کہا: "جب تک میں کھاری سمندر کی صحبت میں رہا اس وقت تک میرے اندر بھی شوریت موجود رہی۔ لیکن جب میں سمندر سے نکل کر بادلوں کی طرف چلا گیا اور پستی سے اُٹھ کر بلندی پر جا پہنچا تو بادلوں کی ہمنشینی نے میری شوریت کو شیرینی میں بدل دیا۔

گوشِ (چشمِ) حقیقت نے جب یہ بات سُنی تو اس نے انسان سے کہا۔ "پانی کے ان چند حقیر قطروں سے سبق حاصل کرو۔ اچھی صحبت جب ذائقہ پانی کا بدل سکتی ہے تو اچھی صحبت سے انسانی کردار میں بھی تبدیلی آ سکتی ہے صحبتِ صالح ترا صالح کند صحبتِ طالح ترا طالح کند

سکون کی تلاش

اس دنیا میں نہ حکمران کو سکون حاصل ہے اور نہ فقیر کو۔ نہ امیر مطمئن ہے اور نہ غریب۔ لیکن پھر بھی انسان سکون کی تلاش میں مضطرب اور بے چین رہتا ہے، حالانکہ جیتے جی دنیا میں سکون حاصل ہونا ناممکن ہے۔

کیا تم نے نہیں دیکھا کہ جب کوئی شخص دریا یا سمندر میں گر جاتا ہے اور ڈوبنے لگتا ہے تو جب وہ زندہ رہتا ہے اور دریا کی موجیں اسے چین لینے نہیں دیتیں کبھی اسے پانی کی تہہ میں لے جاتی ہیں اور کبھی اچھال کر سطحِ آب پر لے آتی ہیں۔ لیکن جب اس کی زندگی دریا کی لہروں کے تھپیڑوں سے ختم ہو جاتی ہے اور وہ مر جاتا ہے تو اس کی نعش پانی کی سطح پر آ جاتی ہے اور بڑے اطمینان کے ساتھ تیرنے لگتی ہے۔

اسی طرح انسان اس دنیا میں زندہ رہتا ہے تو زندگی کا سیلاب اسے بہائے اِدھر اُدھر لئے پھرتا ہے۔ ہر روز اسے زندگی کے نشیب و فراز سے دو چار ہونا پڑتا ہے۔ لیکن جب اُس کی زندگی ختم ہو جاتی ہے تو اُسے ہمیشہ کے لئے سکون مل جاتا ہے۔ بس جیسے بھی اس دنیا میں سکون ناممکن ہے

"سکوں محال ہے قدرت کے کارخانے میں
ثبات ایک تغیّر کو ہے زمانے میں۔"

(علامہ اقبال)

دولت کی حقیقت

ابی ھریرہ رضؓ کہتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ بندہ میرا مال میرا مال کہتا ہے۔ (یعنی اپنے مال دار ہونے پر فخر کرتا ہے) اور حقیقت یہ ہے کہ اس کے مال میں سے جو کچھ اس کا ہے وہ صرف تین چیزیں ہیں۔ ایک تو وہ جو کھا لیا اور ختم کر دیا۔ دوسرے وہ جو پہنا اور پھاڑ ڈالا۔ تیسرے وہ جو راہ خدا میں دیدیا اور ذخیرہ آخرت بنا لیا۔ ان تین چیزوں کے علاوہ جو کچھ بھی ہے وہ سب کچھ دوسروں کے لئے چھوڑ کر چلا جانے والا ہے۔

یعنی اس دنیا میں انسان نے جو کھا لیا، پہن لیا اور راہ خدا میں دیدیا بس وہ تو اس کا ہے۔ باقی ساری دولت دوسروں کے قبضے میں چلی جاتی ہے۔ (حدیث)

جدوجہد

تائید ایزدی اگر شامل حال ہو تو یہ بھی ممکن ہے کہ بغیر کنواں کھودے

زمین سے صاف اور شیریں پانی نکل آئے لیکن توفیق غیب کی امید پر ترک جدوجہد کرنا اسلامی اصول کے سراسر خلاف ہے۔ مشقت معیار زندگی کی بہتری کی ضامن ہے۔ اور کاہلی تباہی کی بنیاد ہے۔ لہٰذا پانی حاصل کرنے کے لئے زمین سے تھوڑی مٹی دور کرتے رہو انشاء اللہ اس سعی مسلسل سے کنواں وجود میں آئے گا۔ قدرت کے اس قانون کو اٹل سمجھو کہ جس نے خون پسینہ ایک کیا خوش حالی اسی کو نصیب ہوئی، جس نے غوطہ لگایا گہر اسی کو ملا، جو چلتا رہا منزل اسی نے پائی۔

دو گز زمین

(عارف رومی)

توپیں آگ اگل رہی تھیں۔ آسمان سے بھی آگ برس رہی تھی۔ حصول اقتدار کے لئے دنیا کے مختلف گوشوں میں بڑی بیدردی کے ساتھ انسانی خون بہایا جا رہا تھا۔ وہ زمین جسے خدا نے بنی نوع انسان کے لئے امن و عافیت کا گہوارہ بنایا تھا۔ انسانی لاشوں سے پٹی پڑی تھی۔ بچے بھی زخمی تھے۔ عورتیں بھی زخمی تھیں اور بوڑھے بھی خاک و خون میں تڑپ رہے تھے۔ آبادیاں کھنڈر بن گئی تھیں۔ اور اس تباہی اور بربادی کے ذمہ دار وہ حکمران تھے جو ڈاکوؤں کی طرح لوٹ مار اور غارتگری میں مصروف تھے۔

فاتح اعظم نپولین کی روح نے دنیا میں جب یہ تباہی اور بربادی دیکھی تو اس نے اپنا درندہ صفت حکمرانوں سے کہا۔

وہ کبھی میں بھی فتح و اقتدار کے جوش میں مبتلا تھا۔ اس جنون کی خاطر میں نے ہزاروں عورتوں کو بیوہ اور ہزاروں بچوں کو یتیم بنا دیا تھا۔ لیکن تمھیں

معلوم ہے کہ میری اس درندگی اور بربریت کا انجام کیا ہوا۔ میری حکومت اور میرا اقتدار آن واحد میں مٹ گیا اور مجھے اپنی آخری زندگی قید و بند میں گزارنی پڑی، یہاں تک کہ میری موت بھی قید خانے میں ہی ہوئی۔

فاتح اعظم نپولین کی روح نے پھر اپنی قبر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا
"اے بنی نوع انسان کا خون بہانے والو یہ بات نہ بھولنا کہ تمام عمر کی جدوجہد اور ملک پر ملک فتح کرنے کے بعد مجھے اس دنیا میں جو کچھ مل سکا ہے وہ صرف دو گز زمین کا ٹکڑا ہے، جس میں کہ میری قبر ہے۔ اس سے زیادہ مجھے اس دنیا سے کچھ بھی حاصل نہ ہو سکا۔ میرے انجام سے عبرت حاصل کرو۔
(دین و دنیا دہلی)

حکومت اور دولت ایک فریب

تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ انسان نے ہمیشہ ہی حکومت اور دولت کے لئے بنی نوع انسان کا خون بہایا ہے۔ چنانچہ آج بھی حکومت اور دولت کے لئے بڑی بیدردی سے بے گناہوں کے خون سے زمین کو لالہ زار بنایا جا رہا ہے۔ لیکن جس حکومت اور دولت کے لئے انسان ایک درندہ بن جاتا ہے، اس کی اصل حقیقت کیا ہے۔

ظاہری آنکھیں سمجھتی ہیں کہ دولت اور حکومت انسانی ترقی کی معراج ہے۔ لیکن مشاہدات بتاتے ہیں کہ انسان کو نہ تو دولت سے رُوحانی سکون حاصل ہوتا ہے اور نہ حکومت سے، بلکہ اس

کے لئے کسی اور ہی چیز کی ضرورت ہے، چنانچہ دنیا کے بعض مقتدر بادشاہوں کے مرتے وقت کے جو کلمات ہیں ان سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ حکومت اور دولت سرتاپا فریب ہے۔

سلیمان بن عبدالملک خاندان بنی اُمیہ کا ایک باعظمت بادشاہ گزرا ہے۔ اس کے دبدبے کا یہ عالم تھا کہ بڑے بڑے بادشاہ اس کے سامنے دم نہیں مارتے تھے۔ لیکن اس کو جیتے جی چین میسر نہ آسکا۔ جب سلیمان کی موت کا وقت قریب آیا تو اس نے کہا۔

"میں اسی تمنّا اور آرزو میں رہا کہ مجھے زندگی میں کبھی اطمینان اور سکون حاصل ہو سکے۔ اور میں اس اطمینان کے بعد اپنی زندگی عبادت الٰہی میں صرف کر سکوں۔ مگر مجھے اپنی عمر کا ایک دن بھی ایسا یاد نہیں کہ کسی روز مجھے سکون حاصل ہوا ہو۔ میں بے اطمینانی کی موت مر رہا ہوں، میں دنیا میں کچھ کر نہ سکا۔

خلیفۂ عباسی ہارون الرّشید کے باپ خلیفۂ مہدی بغداد سے جرجان جا رہے تھے۔ ہارون الرّشید بھی ان کے ہمراہ تھے۔ جب یہ ماسندان پہنچے تو اچانک ان کی حالت بگڑ گئی اور نزع کی کیفیت طاری ہو گئی۔ اسی حالت میں انھوں نے ہارون الرّشید سے کہا۔

"لوگ سمجھتے ہیں کہ میں نے بادشاہت کی ہے مگر میں نے انتہائی مصیبت اور تکلیف کی زندگی گزاری ہے۔ اگر انسان کی زندگی کا مقصد اسی قسم کی بے اطمینانی ہے تو اس زندگی سے موت ہزار درجہ بہتر ہے۔

میں خوش ہوں کہ بے اطمینانی کی زندگی سے مجھے نجات مل رہی ہے۔ میں نے جہاں تک ممکن ہوا رعایا کی خدمت کی، مگر اب میں سمجھتا ہوں کہ میں نے کچھ نہیں کیا اور میری زندگی ضائع ہو گئی۔

یہ ان حکمرانوں کے آخری وقت کے احساسات ہیں جنھوں نے انتہائی فرض شناسی کے ساتھ حکومت کی ہے۔ اور جن کو دنیا کی تمام نعمتیں میسر تھیں۔ اُن کے اِن احساسات سے پتہ چلتا ہے کہ دنیاوی حکومت بادشاہت اور ثروت کس قدر بے حقیقت ہے۔

یہ بے نشان قبریں

میں نے سکندر اعظم کے مرقد کو تلاش کیا اس کا کوئی پتہ نہ چل سکا۔ میں نے نپولین کی قبر کو دیکھا تو وہ شکستہ حالت میں پڑی ہوئی تھی اور کوئی اس کی جانب رُخ کرنا بھی گوارا نہیں کرتا تھا۔ اس کے برخلاف میں نے بوریہ نشین بزرگان دین کے مزارات پر عقیدتمندوں کا اس طرح ہجوم دیکھا گویا کہ وہ آج بھی زندہ ہیں۔

میرے دل نے حکمرانوں کی ناقدری اور بزرگان دین کی یہ قدر دانی دیکھی تو اس نے مجھ سے کہا۔ بزرگان دین نے چونکہ ہمیشہ بنی نوع انسان کی خدمت اور رہنمائی کی ہے اس لئے آج بھی دنیا کو اُن سے عقیدت ہے لیکن حکمران جنھوں نے ہمیشہ مخلوق خدا کا خون بہایا ہے۔ اُن سے دُنیا بُری طرح متنفر ہے۔ کس قدر عبرت انگیز ہے حکمرانوں کی حالت۔

اے سفّاک سرمایہ دار

اناج کے سرمایہ دار تاجر نے بڑی مسرّت
کے ساتھ اُس تجوری کو دیکھا جو چاندی اور سونے
سے بھری ہوئی تھی۔ پھر وہ سوچنے لگا کہ اگر میں
اپنے اناج کے پوشیدہ ذخیروں کو کچھ روز اور روک
لوں تو مجھے لاکھوں روپیہ کا مزید نفع ہو سکتا ہے۔

دولت کمانے کے لالچ میں اُس نے اناج
کے ذخیروں کو روک لیا۔ تمام ملک میں ایک
بے چینی اور بیقراری پیدا ہو گئی۔ لوگ روپیہ
لئے پھرتے تھے مگر انہیں اناج نہیں ملتا تھا۔
غریب فاقوں پر فاقے کر رہے تھے۔ اور کوئی
پُرسانِ حال نہ تھا۔ معصوم بچے بھوک سے بلک
بلک کر بے دم ہو رہے تھے، لیکن اُنہیں روٹی کا ایک
ٹکڑا بھی میسّر نہ آتا تھا۔ لب دم بیمار اناج کے دانے
دانے کے لئے ترستے ہوئے جانیں دے رہے تھے۔

لیکن اس مصیبت کا کوئی علاج نہ تھا۔ غرض کہ سارے ملک میں ایک بے چینی اور بے قراری برپا تھی۔

درد بھرے دل نے اناج کے تاجر کی اس سفاکی اور درندگی کو دیکھا تو کہا۔

"ذرا غور کرو کہ اس سفاک اور اس ظالم میں کیا فرق ہے جو بے گناہوں کا گلا گھونٹ کر مار دیتا ہے، جو اپنے نفع کی خاطر دوسروں کی جان لے لیتا ہے، یہ خونی ہے، اس کے لئے قانون نے جو سزا رکھی ہے وہ بہت نرم ہے۔ اس کے لئے تو وہی سزا ہونی چاہیئے جو کہ ایک قاتل اور خونی کو دی جاتی ہے، بلکہ خونی تو گنے چنے آدمیوں کی جانیں لیتے ہیں۔ لیکن یہ سفاک اپنے نفع کی خاطر سارے ملک کی جان لینے پر تلا ہوا ہے۔

اے سفّاک سرمایہ دار

اناج کے سرمایہ دار تاجر نے بڑی مسرّت کے ساتھ اُس تجوری کو دیکھا جو چاندی اور سونے سے بھری ہوئی تھی۔ پھر وہ سوچنے لگا کہ اگر میں اپنے اناج کے پوشیدہ ذخیروں کو کچھ روز اور روک لوں تو مجھے لاکھوں روپیہ کا مزید نفع ہو سکتا ہے۔

دولت کمانے کے لالچ میں اُس نے اناج کے ذخیروں کو روک لیا۔ تمام ملک میں ایک بے چینی اور بیقراری پیدا ہو گئی۔ لوگ روپیہ لئے پھرتے تھے مگر انہیں اناج نہیں ملتا تھا۔ غریب فاقوں پر فاقے کر رہے تھے۔ اور کوئی پرسان حال نہ تھا۔ معصوم بچے بھوک سے بلک بلک کر بے دم ہو رہے تھے لیکن اُنہیں روٹی کا ایک ٹکڑا بھی میسّر نہ آتا تھا۔ لب دم بیمار اناج کے دانے دانے کے لئے ترستے ہوئے جانیں دے رہے تھے۔

یہاں تک کہ مشرق سے لے کر مغرب تک اور شمال سے لے کر جنوب تک دنیا ان ایٹمی ایجادات کی وجہ سے جھلس کر رہ گئی۔

چشم حقیقت نے جب دنیا کو اس تباہی کے عالم میں دیکھا تو کہا۔

"وہ کیا انسان اپنی انہیں خوفناک اور تباہ کن ایجادوں کی بنا پر خدائی کا دعویٰ کر رہا تھا۔ اے مغرور انسان! عبرت حاصل کر اور دیکھ قدرت کس طرح تجھے تیرے ہی دماغ سے نکلے ہوئے خوفناک سیلاب کے ذریعے تباہ کر رہی ہے۔

(ماہنامہ دین و دنیا)

سکون کسی کو حاصل نہیں

سردی کا موسم تھا اور اندھیری رات تھی، رات کی تاریکی میں شاہ ایران نادر شاہ کا محل روشنی سے جگمگا رہا تھا۔ سینکڑوں سپاہی محل کے دروازے پر پہرہ دے رہے تھے، بے چارے سپاہی سردی کی شدت سے اکڑے جا رہے تھے۔ ان غریبوں نے ٹھنڈا سانس بھر کر کہا۔

"نادر شاہ بھی انسان ہے اور ہم بھی انسان ہیں لیکن قدرت کی کرشمہ سازی دیکھو کہ اسے تو آرام کے لئے شاہی محل حاصل ہے اور ہم بدنصیب سردی میں ٹھٹھر رہے ہیں۔"

نادر شاہ اس وقت اپنی آرامگاہ میں تھا۔ آدھی رات سے زیادہ گزر چکی تھی، مگر اسے نیند نہیں آرہی تھی اور نیند نہ آنے کا بڑا سبب یہ تھا کہ نادر شاہ کے مظالم نے اس کے گرد و پیش آدمیوں تک کو اس کی جان کا دشمن بنا دیا تھا۔ اسے ہر لحظہ اپنی جان کا خطرہ تھا۔ وہ بہت دیر تک کروٹیں بدلتا رہا آخر

وہ بستر سے کھڑا ہو کر ٹہلنے لگا۔ جب وہ ٹہل رہا تھا تو اس نے محل کی کھڑکی سے پہرہ دینے والے سپاہیوں کو دیکھا کہ وہ کھلے میدان میں آزادی سے پھر رہے ہیں۔

نور شاہ نے سپاہیوں کو دیکھ کر ایک ٹھنڈا سانس بھرا اور سوچنے لگا کہ میں بھی ایک انسان ہوں اور سپاہی بھی انسان ہیں۔ لیکن قدرت کی کرشمہ سازی کتنی عجیب ہے کہ بے خوف کھلے میدان میں گھومتے ہیں۔ ان کو نہ کسی دشمن کا خوف ہے نہ کسی سازش کا خطرہ۔ ایک میں ہوں کہ محل کے اندر ہوتے ہوئے بھی ہراساں اور پریشان ہوں۔ کس قدر بے کیف ہے میری زندگی۔

نور شاہ ذہنی تکلیف میں مبتلا تھا اور سپاہی جسمانی تکلیف سے مضطرب تھے لیکن چین کسی کو بھی میسر نہ تھا۔ ان کی تکلیفیں پریشانیاں دنیا والوں سے کہہ رہی ہیں۔ اس دنیا میں کسی کو بھی چین اور سکون حاصل نہیں۔

یہ کس کی بستی ہے؟

نور شاہ! میں دنیا کی حالت دیکھ کر حیران ہوں اور [illegible] سے [illegible] دنیا والوں کی بستی [illegible] یاد [illegible] سمجھا [illegible] دنیا [illegible] انسانوں کی [illegible] جہاں [illegible] خوش [illegible] ساتھ [illegible] کی داستان بیان کر رہی ہے۔

دنیا میں انسان اس لئے بھیجا گیا تھا کہ وہ امن اور سکون کی زندگی گزارے [illegible] امتیاز مذہب و ملت [illegible] کے بادل [illegible] انسانوں کو [illegible] لگانے لیکن [illegible]

[illegible]

[illegible] وہ وقت آگیا ہے [illegible] انسان خود ہی اپنے ہاتھوں سے اپنا گلا گھونٹ لے گا [illegible] اس سے پہلے بھی ہو چکا ہے اور یہی اب ہو رہا ہے [illegible] جب فرعون اور نمرود [illegible] سکے تو یہ کیونکر [illegible]

خدائی قوت کا دعویدار

[illegible] نے آپ کو خدائی قوتوں کا مظہر سمجھتا تھا [illegible] ترقیوں نے اسے خدا کے وجود کا منکر بنا دیا تھا وہ [illegible] مردہ انسانوں کو دوبارہ زندہ کرنے کے [illegible] تھا اس نے جب چند مردہ جانوروں پر اپنی ایجاد کو آزمایا اور ان میں عارضی طور پر زندگی کی لہر پیدا ہوئی تو وہ غرور کے نشے میں مدہوش ہو گیا اور اس نے کہا:

"وہ کہاں ہیں جو [illegible] زندگی

خدا کے ہاتھ میں ہے۔ وہ آ کر دیکھ لیں کہ خدائی قوت
میرے دماغ میں پوشیدہ ہے۔ میں مُردوں کو زندہ کر سکتا
ہوں۔"

وہ سالہا سال تک اپنی لیبارٹری میں تحقیق کرتے ہوئے لگا رہا
یہاں تک کہ ایک روز موت کے فرشتے نے آن دبایا۔ اس وقت
اسے معلوم ہوا کہ انسانی دماغ کی قوت بیکار ہے۔ سب سے بڑی طاقت کی
تو وہ ہے کہ مُردوں کو زندہ کرنے کے لئے ایجادات کرتا رہا لیکن جب موت
آئی تو خود بھی اپنے آپ کو بچا نہ سکا۔

انسان عاشقی کا مارا ہو یا نشے میں حقیقی چیز کو بھول جاتا
ہے۔ کاش زندگی کے تجربات سے انسان کوئی سبق حاصل کر سکے۔

دنیا کے حسین جلوے

حسن و جمال میں نہ جانے کس بلا کی کشش ہے کہ انسان ایک
حسینہ کو دیکھ کر بھونچکا ہو کر رہ جاتا ہے۔ میں کبھی سوچ بھی نہیں
سکتا کہ سینما کے سیمیں پردہ پر ایک حسین اور بولتی ہوئی متحرک
صورت نے میرے دل پر کیا اثر کیا۔ میں نے جب بولتی ہوئی اس
بھولی صورت کو دیکھا تو میرا دل سینے کے اندر بے چین ہو گیا اور
مجھے یہ معلوم ہوا جیسے کوئی مجھے اپنی طرف کھینچ رہا ہو۔ میں کئی
گھنٹے اس متحرک تصویر کی دلچسپیوں میں گم رہا اور مجھے ایسا
محسوس ہوا گویا یہ تصویر نہیں ہے بلکہ حقیقت ہے۔

تھوڑی دیر کے بعد یہ حسین نظارہ ختم ہوگیا۔ اب یہ متحرک تصویر میرے سامنے نہیں تھی بلکہ اس کی جگہ کریپ کی ایک سفید بھدی چادر مجھے دکھائی دے رہی تھی۔ اس وقت مجھے احساس ہوا کہ یہ جو کچھ تھا ایک سراب تھا۔ اس حقیقت کے انکشاف کے بعد میرے دل نے کہا یہ دنیا اور اس کے حسین جلوے بھی ایک متحرک اور بولتی ہوئی تصویر کے مانند ہیں ان جلووں نے ہمیں محو حیرت بنا رکھا ہے۔ لیکن موت کے بعد جب حقیقی زندگی شروع ہوگی اس وقت ہمیں معلوم ہوگا کہ یہ دنیا سراسر دھوکا اور فریب تھی۔ اور اس کی دلچسپیوں میں پھنس کر ہم نے اپنی عاقبت کو تباہ کرلیا۔

ایک پری پیکر مغنیہ

عہد بنی امیہ میں ایک پری پیکر اور مشہور مغنیہ گا رہی تھی اس کی آواز میں کچھ ایسا سحر تھا کہ جب وہ گاتی تھی تو سننے والے مست و مخمور ہو جاتے تھے۔ مغنیہ پورے کیف کے ساتھ گا رہی تھی اور سننے والے اس کی ہر تان پر جھوم رہے تھے اس پری پیکر کے نغموں نے گرد و پیش کی پوری فضا میں مستی پیدا کر دی تھی۔ اس کے نغموں کی گرما گرمی اس قدر بڑھی ہوئی تھی کہ اس زمانے کے ایک مشہور بزرگ اس کی قبر میں دبی ہوئی آواز سن کر بے تاب ہو گئے۔ ایک بندے کا ذکر ہے

کہ وہ بزرگ اس کے مکان کے پاس سے گزر رہے تھے۔ اُن میں اتنی تاب نہ رہی کہ وہ اس مغنیہ کے نغموں کو سنے بغیر آ گے قدم بڑھا سکیں۔ چنانچہ اس پری پیکر کے سحر میں ڈوبے ہوئے نغمے ایک زاہد شب زندہ دار کو مغنیہ کے مکان کے اندر کھینچ کر لے گئے اور اس پری پیکر کے روبرو انہیں لا کر بٹھا دیا۔ اس وقت ان کو یہ خبر نہ تھی کہ وہ کہاں ہیں، بس وہ ان نغموں کو سننے میں مست تھے۔

تھوڑی ہی دیر میں ان کے ضمیر نے ان کو جھنجھوڑ کر بیدار کر دیا۔ وہ سنبھلے اور اپنے نفس پر ملامت کرتے ہوئے وہاں سے چل دیے۔ مغنیہ اسی طرح روزانہ گاتی رہی۔ اور اس کی آواز مدتوں تک لوگوں کے لئے غارت گر ایمان بنی رہی۔ یہاں تک کہ کثرت شراب نوشی نے اس کو بیمار کر دیا اور ایسا بیمار کر دیا کہ نہ حسن باقی رہا اور نہ آواز میں دلکشی، اور وہ زندگی سے مایوس ہو گئی۔ زندگی سے مایوسی کے بعد لوگوں نے دیکھا کہ وہ زاہد شب زندہ دار کے پاس آئی اور اس نے اپنے گناہوں سے توبہ کرتے ہوئے کہا۔

"میرے لئے دعا کیجئے کہ میرا انجام بخیر ہو"۔

اب نہ اس کے حسن میں کشش تھی اور نہ آواز میں دلکشی مسلسل بیماری نے اسے ہڈی اور چمڑے کا ایک بدنما ڈھانچہ بنا دیا تھا۔ کس قدر عبرت انگیز ہے دنیا کی حالت، کہ وہی حسن وہی نغمہ، جس نے کہ ایک بزرگ کو دیوانہ بنا دیا تھا۔ آج اس کا کوئی خریدار نہ تھا۔ وہ جنہیں خدا نے چشم بصیرت عطا کی ہے

ان کے لئے اس واقعہ میں نہایت ہی عبرت اور نصیحت ہے۔

نصیحت آواز احساسات

یہ ہنگامہ آفریں دنیا جس کے مشاغل کی تمنا کبھی ختم نہیں نہیں ہوتی اور جس کی زندگی کا ایک ایک لمحہ ہوس پرست انسان کے لئے کونین کی ہر نعمت سے زیادہ قیمتی ہے۔ اگر بہ غائر دیکھے تو ایک تفریحی نگار خانے سے بھی زیادہ ناپائیدار ہے۔ لیکن آہ! کس درجہ غمناک ہے یہ حقیقت کہ اسی تفریحی نگار خانے کی رعنائیوں اور اپنے اعمال و فرائض کی ذمہ داریوں سے یکسر بے نیاز ہو جاتا ہے۔ پھر بھی اس کا آخری نظارہ جب کہ روح و جسم کے تعلقات منقطع ہوتے ہیں، جو عبرت پسند کے لئے نہایت حسرت آفریں اور عبرت انگیز ہو جاتا ہے۔

ذیل میں چند مشاہیر کے وہ قیمتی محسوسات درج کرتے ہیں۔ جو زندگی کے آخری لمحات میں انھوں نے صدق و اخلاص سے بیان کئے ہیں۔

فاروق اعظم رضی اپنی زندگی کے آخری لمحات میں اپنی ذمہ داریوں کے احساس کی بنا پر اشکبار اور بے قرار تھے۔ آپ کے صاحبزادے عبداللہ بن عمر نے اس نازک وقت میں حاضر ہو کر عرض کیا۔

"ابا جان! مہاجرین اور انصار میری خلافت کے متعلق کچھ تذکرہ کر رہے ہیں۔ میں اس ذمہ داری کو قبول کرنا نہیں چاہتا۔ آپ کچھ نصیحت کیجئے"

سیدنا فاروق اعظمؓ نے آنسو پونچھتے ہوئے فرمایا:

"بیٹا! ہرگز اس ذمہ داری کو قبول نہ کرنا، بظاہر پھولوں کا بستر ہے لیکن درحقیقت کانٹوں سے بھرا ہوا صحرا ہے۔ جس خاندان میں ایک ہی شخص ایسا کافی ہے جسے احکم الحاکمین کے حضور آدمیوں کے حقوق کے متعلق جواب دینا پڑے گا"

"عبداللہ! میں بظاہر امیر المومنین اور عظیم المرتبت فرمانروا تھا۔ لیکن میری ایک شب بھی ایسی نہیں گذری جب میں نے دن میں کئے ہوئے کاموں پر تبصرہ نہ کیا ہو اور اپنی ایک ایک لغزش پر چار چار گھنٹے تک آنسو نہ بہائے ہوں۔"

ابن عمرؓ! تم جانتے ہو لاکھوں روپئے میرے پاس بطور امانت رہتے تھے لیکن ایک درہم بھی میں نے اپنی ذات پر یا اپنے متعلقین کی ذات پر خرچ نہیں کیا۔ میں چھ گھنٹے روزانہ کپڑے کے کاروبار کرتا تھا اور اس کے نفع سے اپنی ضرورتیں پوری کیا کرتا تھا۔ کیا تم اس طرح فرض امارت انجام دے سکتے ہو؟ اگر نہیں تو ایک لمحہ کے لئے بھی حکومت کا خیال دل میں نہ لاؤ۔ اچھا خدا تمہارا حافظ و ناصر ہو"

(تذکرۃ العباد)

شام، عراق، فلسطین اور ایران کے عظیم الشان فاتح حضرت ابو عبیدہؓ جن کے ایثار و اخلاص اور جن کے صبر و استقلال کی نظیر تلاش سے بھی دستیاب نہیں ہو سکتی۔ ۱۱ شعبان ۱۸ھ کو جب مرض الموت میں مبتلا ہوئے تو اپنے بیٹے سے فرمایا۔

"عامر میری کامیابی کا راز یہ تھا کہ میں نے کبھی اپنی ہستی کو مرتبہ انسانیت سے بالاتر نہیں سمجھا اور میں ایسا کیوں سمجھتا؟ جب کہ میں اس حقیقت سے واقف تھا کہ میری ایک قوت بھی فنا سے محفوظ نہیں، اگر میں اپنی دماغی قابلیت پر غرور کرتا تو اس سے بڑھ کر اور کونسا جرم ہو سکتا تھا، کیونکہ میں اس بات سے واقف تھا کہ ایک معمولی مرض کا حملہ میرے تدبر و تفکر کا خاتمہ کر سکتا ہے، میری قوت گویائی اور میری جرأت و ہمت ایک ایسی نعمت تھی جو چند لمحوں میں مجھ سے واپس لی جا سکتی تھی۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ خود میری حیات فانی جس کی ہنگامہ آفرین مصروفیت نے مجھے آسمان شہرت پر پہنچایا وہ بھی زوال اور فنا سے محفوظ نہ تھی۔ میں ہمیشہ عالم بیداری میں موت کو اپنی نگاہوں کے سامنے رکھتا تھا، اسی لئے تکبر و غرور، تصنع اور انانیت نے میرے محسوسات پر اقتدار حاصل نہیں کیا۔ یہ سچ ہے کہ میں نے دوسروں کی اصلاح کے لئے بہت کم کوشش کی، لیکن خدا کا

شکر ہے کہ میں اپنی اصلاح میں بڑی حد تک کامیاب ہو گیا۔ عامر! اگر تم میری اس آخری ہدایت کو سامنے رکھو گے تو میں یقین کرتا ہوں کہ تم اطمینان کے ساتھ زندگی بسر کرو گے۔ (تذکرۃ العباد)

نافع بن اسلم دربار ایوبی کا مشہور مورخ اپنی گرانقدر تصنیف "میزان الادیان" میں لکھتا ہے:-

فاتح بیت المقدس حضرت سلطان صلاح الدین ایوبی جن کے فاتحانہ کارناموں سے گنبد عالم کا گوشہ گوشہ گونج رہا تھا۔ جب آغوش رحمت میں جانے والے تھے تو انھوں نے اپنے دوستوں سے فرمایا۔

"اپنے کسی دردمند غریب بھائی کو حقیر نگاہوں سے نہ دیکھو اور اس کی ناداری کی بنا پر اسے ذلیل نہ سمجھو ہو سکتا ہے کہ اس کے دل میں تمہارے لئے ایک ایسا جذبۂ اخلاص اور درد ہو جو کسی قیمت پر بھی بازار کائنات میں نہ مل سکتا ہو۔ کیا تم اس حقیقت کو نہیں سمجھتے کہ غریب اور نادار کے پہلو میں بھی ایک ایسا دل ہے جو اچھے سلوک سے خوش ہوتا ہے اور جو ناروا سلوک سے غمگین ہوتا ہے۔"

"دوستو! میری زندگی کا اولین مسلک یہ تھا کہ میں اپنے سپاہیوں کو اپنے بھائیوں سے بھی زیادہ چاہتا تھا

اور ان کے دکھ درد میں شریک ہوتا تھا۔ ایک مسیحی حاکم نے ایک مرتبہ میری دعوت کی تو میں نے مطالبہ یہ کیا کہ میرے سپاہیوں کے لئے بھی وہی کھانا تیار ہونا چاہئیے جو میرے لئے تیار کیا جائے۔ اس طرز عمل کا نتیجہ یہ تھا کہ میرے رفقائے کار میرے ہمدرد اور غمگسار تھے اور دنیا کی کوئی قوت ان کو مجھ سے برگشتہ نہ کر سکی۔"

(میزان الادیان)

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بہت مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

راہب اور درندے

آج سے بہت پہلے یہاں سے بہت دور پہاڑیوں میں ایک راہب کا مسکن تھا۔ اس کی روح پاک اور ضمیر روشن۔ زمین اور آسمان کے تمام جاندار جوق در جوق اس کے حضور میں آتے۔ اور وہ ان سے باتیں کرتا۔ وہ بڑے انہماک اور شوق سے اس کی باتیں سنتے اور اس کے گرد جمع ہوتے یہاں تک کہ سورج چھپے وہ ان کی دعاؤں کے ساتھ جنگل کی ہواؤں کے سپرد کرتا۔

ایک شام جب وہ محبت کے متعلق بات کر رہا تھا ایک شیرنی نے سر اٹھایا اور راہب سے پوچھا "حضور آپ ہم سے

تو محبت کی کہانیاں بیان کرتے ہیں۔ لیکن آپ کی اپنی جورو کہاں ہے؟

راہب بولا: "میری کوئی جورو نہیں۔"

اس پر چرندوں، پرندوں اور درندوں کے اس انبوہ میں حیرت و استعجاب کی لہر دوڑ گئی۔ راہب کی کوئی سنتا نہیں تھا۔ سب اپنی ہانکنے لگے۔ جلد ہی ایک قیامت کا شور بے پناہ ہو گیا تھا۔ "یہ ہمیں محبت کرنے کا گھر بسانے کا درس کیوں دیتا ہے جبکہ اس نے خود کبھی محبت کی نہ گھر بسایا"

اس نفرت میں وہ سب اُسے اکیلا چھوڑ کر چل دیے اور اس رات راہب چٹائی پر اوندھا پڑا روتا رہا اور بلبلاتا رہا۔

انسان اور کتا

کوچۂ حرص میں لے جاتے نہ انسان کو خدا
گر وہاں تو سگِ دنیا میں بھنبوڑے کھاتے

دیکھنے میں انسان اور کتے میں بڑا فرق ہے۔ باطن کا حال خدا جانے۔ کتے کی وفاداری مشہور ہے اور انسان کی غداری۔ کتا سامنے کاٹتا ہے اور انسان پیچھے۔ سگ گزیدگی کا علاج تو کیا جا سکتا ہے۔ لیکن انسان کا کاٹا ہوا بہت کم بچتا ہے۔

سراغرسانی کے میدان میں کتا بھی کیا انسان کی عقل و دانش پر سبقت لے گیا۔ بعض سنگین جرائم کی تفتیش میں جو کام

انسان نہیں کر سکتا وہ کتے سے لیا جاتا ہے کسی کے غم میں انسان مگرمچھ کے آنسو بہاتا ہے، لیکن وفادار کتا ایسے موقعوں پر خون کے آنسو روتا ہے۔

شائستگی کے بھیس میں روح درندگی
انسان کے لباس میں شیطان ہے آجکل

روحانی سربلندی

یہ شہر کس قدر عظیم الشان ہے۔ یہ عمارتیں کس قدر خوشنما اور دلفریب ہیں۔ یہ صاف اور شفاف سڑکیں کس قدر دلکش ہیں۔ اور یہ پھولوں سے لدے ہوئے باغ کسقدر حسین معلوم ہوتے ہیں، وہ ایک بڑے شہر سے گزرتا ہوا سوچ رہا تھا۔

شہر کی رنگین فضا سے گزر کر وہ ہوائی اڈے پر پہنچ گیا۔ اور ہوائی جہاز میں سوار ہو گیا۔ ہوائی جہاز جوں جوں فضا میں بلند ہوتا چلا جا رہا تھا شہر کی عالی شان عمارتیں، سڑکیں اور شہر سے متصل باغات نقطوں اور لکیروں کی شکل میں تبدیل ہوتے چلے جا رہے تھے۔ اور وہ جب زیادہ بلندی پر پہنچا تو اس نے دیکھا کہ سارا شہر ایک چھوٹے سے بے حقیقت مٹی کے ڈھیر کی شکل میں تبدیل ہو گیا اور شہر کا سارا حسن اور خوبصورتی اس کی نگاہوں سے اوجھل ہو گئی۔

اب اس کے ضمیر نے کہا کہ اے نادان انسان تو نے دیکھا کہ

انسان جوں جوں زمین سے بلند ہوتا جاتا ہے دنیا کی چیزیں اس کے لئے بے حقیقت بنتی چلی جاتی ہیں۔ اسی طرح جب کوئی انسان روحانی اعتبار سے بلندی پر پہنچ جاتا ہے تو اس کے لئے یہ مادی دنیا اپنی دلکشی اور دلفریبی میں بے حقیقت بن جاتی ہے۔ کاش ہمیں بھی روحانی سربلندی حاصل ہو سکے۔

(شوکت علی فہمی)

حقیقی لگاؤ

آدمی کو مال سے جو محبت ہے اس کا فطری تقاضا یہ ہے کہ وہ جس جگہ اپنا مال رکھتا ہے یا جس کام میں اپنا سرمایہ لگاتا ہے اسی جگہ اس کا دل اٹکا رہتا ہے۔ اگر مال کسی خفیہ جگہ دفن کرتا ہے تو اس کا دل اسی گوشے میں گردش کرتا ہے۔ اگر بینک میں ہے تو اس بینک کے ساتھ اس کا دل بندھ جاتا ہے۔

الغرض جہاں اپنا مال ہوتا ہے وہاں اپنا دل بھی رہتا ہے۔ اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ جو شخص اپنا مال خدا کے راستے میں خرچ کرے گا اس کا دل بھی خدا کے ساتھ رہے گا کیونکہ مال خدا ہی کے پاس ہے۔

حضرت مسیحؑ کا ارشاد ہے:

"کہ جہاں تمہارا مال ہے وہیں تمہارا دل بھی ہے کیونکہ جہاں تیرا مال رہیگا وہاں تیرا دل بھی رہے گا۔" (ماہنامہ الفرقان)

عبرت انگیز نظارہ

بدنصیب فقیر نے بے کسی کے عالم میں تڑپ تڑپ کر ایک ایک سسک سسک کر جان دے دی۔ جب وہ موت کی ہچکیاں لے رہا تھا تو کسی کو یہ خبر بھی نہ تھی کہ وہ دنیا کو ہمیشہ کے لئے خیرباد کہہ رہا ہے۔ اس کی لاش صبح سے شام تک اسی طرح سڑک کے کنارے پڑی رہی یہاں تک کہ رات بھی گزر گئی۔ دوسرے دن کسی نے گزرنے والوں سے کہا کہ یہ مرد خدا ہے کیونکہ زندگی کی کشاکش سے ہمیشہ کے لئے نجات پا چکا ہے۔ اس لئے تجہیز و تکفین کا اہتمام کیا گیا اور فقیر کی لاش ٹھکانے لگا دی گئی۔

اسی رات ایوان حکومت میں ہلچل مچی ہوئی تھی کیونکہ ملک کا حکمران بھی فقیر کی طرح نزع کی تکلیف میں مبتلا تھا۔ نزع کی شدت برابر بڑھ رہی تھی۔ وہ حالانکہ نہایت آرام دہ کوٹھی میں پڑا دم توڑ رہا تھا۔ لیکن اسے کچھ خبر نہ تھی کہ وہ ایک عالی شان محل میں ہے یا فقیر کی طرح سڑک کے کنارے پڑا ہوا ہے۔

حکمران نے بھی فقیر کی طرح جان دے دی اور اس کا جاہ و جلال سب موت کے پیچھے چھپ گیا۔ سرکاری جھنڈے سرنگوں ہو گئے اور دوسرے دن حکومت کے زیر اہتمام بڑے اعزاز کے ساتھ حکمران کی نعش کو بھی فقیر کی لاش کی طرح سپرد خاک کر دیا گیا۔ دو جسم منوں خاک کے نیچے پڑے تھے۔ ان میں سے ایک فقیر کا جسم

تھا اور ایک حکمران کا۔ زمین کے کیمیاوی اثرات دونوں کو یکساں طور پر گلانے میں مصروف ہو گئے۔ زمین کی نظر میں حکمران اور فقیر دونوں برابر تھے آخر دونوں نعشیں گلنے کے بعد خاک بن گئیں۔ اب حکمران اور فقیر میں کوئی فرق باقی نہ رہا۔

دل کی آنکھوں نے جب یہ نظارہ عبرت انگیز دیکھا تو کہا۔

"یہ ہے زندگی کا مآل اور یہی ہے انسان کا انجام"

حقیقت میں زندگی چھوٹی ہے اور نہ بڑا۔ بس یہ ایک فریب ہے جس نے کہ انسانوں کی نگاہوں پر پردہ ڈال رکھا ہے۔

زندگی ایک سراب ہے

مزدور جمعو دن کی گمنامی کی زندگی گزارنے کے بعد سے پائی پائی تک سمیٹ رہا تھا۔ وہ حکمران کے عالی شان محل کے جدید حصوں کی تعمیر میں مصروف تھا۔ اس نے حکمران کے محل کے قیمتی سامان کو دیکھا تو دل ہی دل میں کہنے لگا:

خداوند تیرا انصاف بھی خوب ہے، کسی کو تو عالی شان محل عطا کرتا ہے اور کسی کے پاس جھونپڑی تک نہیں۔

مزدور حکمران کی خوش بختی پر رشک کیا کرتا تھا۔ اسے اپنی زندگی بے حقیقت سی معلوم ہوتی تھی وہ تمام دن لگاتار محنت

کرتا رہا اور معمولی سی مزدوری لے کر رات کو اپنی جھونپڑی میں گھسا اور اپنی بدنصیبی پر افسوس کرتا ہوا سو گیا۔

حکمران اپنے محل میں کروٹیں بدلتا رہا۔ دشمنوں کے خوف سے اُسے نیند نہیں آرہی تھی۔ اس کے مخالفین نے اس کے گرد سازش کا جال پھیلا دیا تھا۔ وہ اپنے محل کے آدمیوں کو بھی اپنا دشمن تصور کرنے لگا تھا۔ وہ کروٹیں بدلتا رہا اور سوچتا رہا کہ ایک حکمران کس قدر دشمنوں سے پر ہے۔ کہ اسے ایک معمولی شہری جیسی بھی بے فکری حاصل نہیں۔ دوسرے دن جب اس کی سواری مزدوروں کی جھونپڑیوں کے قریب سے گزری تو وہ سوچنے لگا کہ اس سے ہزار درجے بہتر تو ان غریبوں اور مزدوروں کی زندگیاں ہیں جو سیاست کے داؤ پیچ سے بے فکر ہیں نہ انھیں دشمنوں کا کھٹکا ہے نہ اپنے مخالفوں کی سازش کا ڈر۔

ایک حساس انسان نے جب حکمران اور مزدور کے دلوں کی بیقراری دیکھی تو اس کے ضمیر نے کہا:

"کہ اس دنیا میں نہ حکمران کو سکون میسر ہے اور نہ مزدور کو، دونوں ہی اپنی اپنی الجھنوں اور پریشانیوں میں مبتلا ہیں۔ دونوں ہی ایک دوسرے کو دور سے دیکھ کر ان کی زندگی پر رشک کرتے ہیں لیکن انھیں کیا معلوم کہ یہ زندگی سب ہی کے لئے ایک سزا ہے۔"

بھلے اور بُرے کی پہچان

دو چٹانیں ایک ساتھ ایک پہاڑ کی چوٹی پر رہتی تھیں۔ گاؤں والوں نے پہاڑ کاٹ کر ایک کچا راستہ بنایا لوگوں کی آمد و رفت کی سہولت کے لئے۔ اور ان چٹانوں کو بھی اپنے ساتھ لے گئے۔

گاؤں میں ایک ندی بھی تھی۔ اس میں سے ایک چٹان کو سلیقے سے کاٹ کر ندی کے کنارے رکھ دیا گیا۔ لوگوں کے کپڑوں کا میل صاف کرنے کے لئے۔

دوسری چٹان ایک بُت گر کے ہاتھ لگی، اُس بُت گر نے اس چٹان کو کاٹ کر ایک شیوجی کی مورتی بنائی اور ندی کے کنارے مندر بنا کر نصب کر دی۔ اب تمام لوگ ایک پتھر پر تن کا میل دھونے لگے اور دوسرے پتھر کو من کا میل دھونے کا وسیلہ سمجھنے لگے۔

ندی کے کنارے کا پتھر مندر میں نصب پتھر کی قسمت پہ رشک کرنے لگا۔ ایک دن ندی کے کنارے والے پتھر نے مندر میں نصب پتھر سے پوچھا! ایک زمانے میں تو بھی میرے برابر تھا۔ یہ انسان تجھے مجھ سے تو کیا اپنے آپ سے بھی بڑھ کر سمجھنے لگا۔ اور دنیا و آخرت کی ہر خوشی تجھ سے مانگنے لگا ایسا کیوں؟ تو مندر کے پتھر نے قہقہہ لگا کر کہا، بیوقوف ہیں۔

ان کو بھلے اور بُرے کی پہچان نہیں۔ اصل میں انھیں تیرا شکریہ ادا کرنا چاہئے تھا۔ تو ان کا میل دھوتا ہے۔ تو اونچ اور نیچ کا فرق نہ محسوس کرتے ہوئے سب کی گندگی برابر دھوتا ہے۔ تو مجھ سے بھی مہان ہے۔ انسان میری پوجا کرتے ہیں اور میں تیرے سامنے سر جھکاتا ہوں، کیوں کہ تو کڑی دھوپ میں پڑا رہ کر بھی لوگوں کے کام آتا ہے۔ میں چھاؤں میں رہ کر بھی، دودھ میں نہا کر بھی ان کے کچھ کام نہیں آتا۔ جس خالق کائنات نے ہمیں بنایا ہے تو ان کے بندوں کی خدمت کرتا ہے۔ اور میں ان کی غلط فہمی کو بھی دور نہیں کر سکتا۔ کاش تیری قسمت میری نصیب میں ہوتی!

(ہفتہ وار عروج ہند۔ بنگلور)

عبرت کا نشان

ایک جگہ چند پپیتہ کے پودے لگے ہوئے تھے۔ پپیتہ کے ایک پودے کو کسی بچے نے اوپر سے توڑ دیا۔ یہ کوئی ڈیڑھ فٹ اونچا ہوگا۔ تنے کے اوپر پتیوں والا حصہ ٹوٹ کر بالکل لٹک گیا تھا۔ میں سمجھا کہ اب یہ سوکھ کر ختم ہو جائیگا۔

مگر چند دنوں کے بعد دیکھا تو جھکا ہوا حصہ کچھ اوپر اٹھ گیا۔ کچھ دنوں بعد اور اٹھ کر ریلوے سگنل کی طرح ہو گیا۔ قریب سے دیکھا تو معلوم ہوا کہ درخت اگرچہ مکمل طور پر ٹوٹ

گیا تھا، مگر ایک طرف کا اوپری چھلکا باقی تھا اور اسی کے سہارے وہ لٹکا رہا۔ اس چھلکے نے کرین کی طرح گرے ہوئے درخت کو اپنی طرف کھینچنا شروع کیا یہاں تک کہ اٹھتے اٹھتے وہ بالکل سیدھا ہو گیا۔

درخت کی یہ صلاحیت [illegible] عبرت کی چیز تھی۔ میں نے سوچا اگر درخت گر جانے کے بعد دوبارہ اٹھ سکتا ہے تو کیا انسان ایسا نہیں کر سکتا۔ حالانکہ انسان کے اندر درخت سے کہیں زیادہ صلاحیت ہے۔ بلا شبہ وہ ایسا کر سکتا ہے بشرطیکہ وہ اپنی قوت ارادی کو استعمال کرے۔ کتنے لوگ ہیں جنہیں یہ احساس ستاتا رہا کہ وہ ناکام رہے۔ ان کی زندگی گرد آلود ہو گئی اور وہ کچھ نہ کر سکے۔ انھوں نے اپنی عمر کو نادانی سے برباد کیا۔ اپنی زندگی کو سنوارنے کا جو نقشہ وہ اپنے ذہنوں میں لئے ہوئے ہیں اس کو عملی شکل نہ دے سکے۔ بے شمار افراد اس احساس کمتری میں مبتلا رہ کر خود کو جیسا بننا تھا ویسا بن نہ سکے۔ ایسے تمام لوگوں کے لئے یہ درخت ایک عبرت کا نشان ہے۔

(الحسنات)

پھول اور کانٹے

ایک آدمی کو گلاب کا پھول توڑنا تھا۔ وہ شوق کے تحت تیزی سے لپک کر اس کے پاس پہنچا اور جھٹکے کے ساتھ ایک پھول توڑ لیا۔ پھول تو اس کے ہاتھ میں آگیا، مگر تیزی کے نتیجے میں کئی کانٹے اس کے ہاتھ میں چبھ گئے تھے۔

اس کے ساتھی نے کہا کہ تم نے بڑی حماقت کی۔ تم کو چاہئے تھا کہ کانٹوں سے بچتے ہوئے احتیاط کے ساتھ پھول توڑو۔ تم نے احتیاط والا کام بے احتیاطی کے ساتھ کیا اس کا یہ نتیجہ نکلا کہ تمہارا ہاتھ زخمی ہو گیا۔

اب پھول توڑنے والا غصے میں آگیا اور اس نے کہا کہ سارا قصور تو ان کانٹوں کا ہے۔ جنھوں نے میری ہتھیلی اور میری انگلیوں کو خون آلود کیا، اور تم الٹا مجھ کو مجرم ٹھہرا رہے ہو۔ اس کا ساتھی بولا۔

میرے دوست، یہ درخت کے کانٹوں کا معاملہ نہیں، یہ نظام قدرت کا معاملہ ہے۔ قدرت نے دنیا کا نظام اسی طرح بنایا ہے کہ یہاں پھول کے ساتھ کانٹے ہوں میری تمہاری چیخ و پکار ایسا نہیں کر سکتی کہ اس نظام کو بدل دے۔ پھول کے ساتھ کانٹے کا یہ نظام تو بہر حال اسی طرح رہے گا۔ اب میری اور تمہاری کامیابی اسی میں ہے

کہ ہم اس حقیقت کا اعتراف کرتے ہوئے اس سے بچنے کی تدبیر تلاش کریں۔ اور وہ تدبیر یہ ہے کہ کانٹوں سے بچ کر پھول کو حاصل کریں۔ کانٹوں میں نہ الجھتے ہوئے پھول تک پہنچنے کی کوشش کریں۔

پھول کے ساتھ کانٹے کا ہونا کوئی سادہ بات نہیں، یہ فطرت کی زبان میں انسان کے لئے سبق ہے۔ یہ نباتاتی واقعہ کی زبان میں انسانی حقیقت کا اعلان ہے۔ یہ اس تخلیقی نقشہ کا تعارف ہے جس کے مطابق موجودہ دنیا کو بنایا گیا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس دنیا میں وہی اقدام کامیاب ہوتا ہے جو اعراض کے اصولوں پر عمل کرتے ہوئے بنایا گیا ہو۔

جہاں بچنے کی ضرورت ہو وہاں الجھنا، جہاں تدبیر کی ضرورت ہو وہاں ایجی ٹیشن کرنا صرف اپنی نالائقی کا اعلان کرنا ہے۔ خدا نے جس موقع پر اعراض کا طریقہ اختیار کرنے کا حکم دیا ہو، وہاں الجھنے کا طریقہ اختیار کرنا خود اپنے آپ کو مجرم بنانا ہے، خواہ آدمی نے دوسروں کو مجرم ثابت کرنے کے لئے ڈکشنری کے تمام الفاظ دہرا ڈالے ہوں۔

(مولانا وحید الدین خان)

درخت سے ایک سبق

میں نے دیکھا کہ بہت دور تک چھوٹے چھوٹے درخت

ہے مجھے اس میں مزہ آتا ہے۔

چشمے نے کہا کسی کے کام میں روڑا بن جانا کونسا اچھا کام ہے میرے بہنے سے آپ کا کیا نقصان؟

پتھر نے سختی سے جواب دیا، کام اچھا ہو یا بُرا، ناگوارِ خاطر گزرتا ہے تو گزرے میں اپنی جگہ سے نہ ہٹوں گا۔ میں کمزور بھی نہیں۔ میری زد میں آ جائے تو پیس نہ دوں تو میرا نام پتھر نہیں۔

پتھر جانتا تھا پانی سے پتلی کوئی چیز نہیں اس کا دم خم کہاں مجھے ہٹا سکے۔ چشمہ بھی جانتا تھا پتھر کے سامنے میری کیا حقیقت ہے۔ اس نے ایک بار پھر خوشامد، لجاجت سے کہا۔ پتھر بھائی کسی کو رستہ دیدینا بھی ایک نیکی ہے، میں عمر بھر آپ کا احسان نہ بھولوں گا۔

پتھر نے پھر سخت لہجے میں جواب دیا۔ میں نیکی کیا جانوں نیک ہوتا تو لوگ مجھے پتھر کیوں کہتے؟ اس نے یہ بھی کہا کہ دیکھو میرے منہ نہ لگو میں ہمالیہ پربت کا پروردہ ہوں، بس اب یہ بحث ختم کرو۔

چشمہ کا پانی رک جانے سے تالاب بن گیا تھا۔ اس کو بھی پتھر کی بات برداشت نہ ہوئی، میں سمندر کا پروردہ ہوں یہ کہہ کر وہ طیش میں آ کر اُبل پڑا پانی کی رستہ جاری تھی۔ اس زور کا ریلا آیا کہ پتھر کے پاؤں اکھڑ گئے۔ بہت ہی سنبھلنا چاہا مگر پانی کے تیز بہاؤ کے سامنے ٹھہر نہ سکا۔ مثل

لڑھکتا ہوا بہتا چلا جا رہا تھا۔ چشمے نے کہا پتھر بھائی ذرا رک جائیے، مگر پانی کی تیز لہروں نے رکنے کا موقع ہی نہ دیا۔

پتھر لڑھکتا ہوا بہتا چلا جا رہا تھا۔ چشمے نے دریا کے حوالے کر دیا دریا نے لے جا کر سمندر میں دھکیل دیا، سمندر اس کو ہضم کر گیا۔ غرض پتھر کا سارا غرور پانی کی طرح بہہ گیا۔

اس لئے عقلمندوں کا مقولہ ہے جن کے مزاج مثل پتھر کے سخت ہوتے ہیں وہ کامیاب بہت کم ہوتے ہیں۔

غریبوں کی دولت

میں نے ایک بادشاہ وقت کو دیکھا کہ وہ حکومت کے جاہ و جلال کے باوجود مطمئن نہ تھا۔ میں نے زر و جواہر سے کھیلنے والے دولتمند کو دیکھا کہ ثروت اور دولت کے باوجود اسے اطمینان حاصل نہ تھا۔ اور میں نے ایک با اقتدار شخصیت کو دیکھا کہ ملک اور قوم میں انتہائی عزت و وقار حاصل کرنے پر بھی اس کے چہرے پر بے چینی کے آثار موجود تھے۔ اور میں نے ایک کامیاب تاجر کو دیکھا کہ ہزار کامیابیوں کے باوجود وہ غیر مطمئن نظر آ رہا تھا لیکن ایک جھونپڑی میں رہنے والا شکستہ حال غریب شخص کو دیکھا کہ اس کا چہرہ بشاش تھا اور اس کی نورانی صورت کہہ رہی تھی کہ اطمینان قلب حکومت، دولت اور ثروت میں نہیں ہے بلکہ اس سکون میں ہے جو صرف

غریبوں کا حصہ ہے اور شکستہ حالوں کی میراث ہے۔

فکرِ معاش

وہ فکرِ معاش میں سرگرداں پھر رہا تھا معاش کی تمام راہیں اسے مسدود نظر آ رہی تھیں۔ ناکامیابی نے اسے پریشان کر دیا۔ اور وہ ناکامی کی حالت میں اپنی زندگی کو ختم کرنے کے منصوبے سوچنے لگا کہ اس کے کان میں غیبی ندا نے کہا کہ: اے نادان انسان جب تو گوشت و پوست کا ایک حقیر لوتھڑا تھا جب تجھ میں عقل نہ تھی اور تیرے منہ میں دانت نہ تھے کہ تو غذا چبا سکتا اس وقت ایک غیبی قوت نے تجھے کیا دودھ نہیں دیا تھا۔ جب وہ تیری بے عقلی اور مجبوری کی حالت میں دودھ سے تیری پرورش کر سکتا ہے۔ تو آج بھی وہ تیرے لیے راہیں کھول دیگا۔ ہمت سے کام لے۔ اس کے بھروسے پر زندگی کے میدان میں آگے بڑھتا چلا جا۔ وہ تیرے ساتھ ہے تو فراموش کر سکتا ہے۔ لیکن وہ تجھے کبھی فراموش نہیں کر سکتا۔

اچھا سماج

کچھ لوگ اتنا ہی کما سکتے ہیں جتنی ان کو ضرورت ہوتی ہے۔ کچھ لوگ اپنی ضرورتوں سے بہت کم کما پاتے ہیں۔

اور کچھ لوگ اپنی ضرورتوں سے بہت زیادہ کما لیتے ہیں۔

اچھا سماج وہ ہے:

جہاں ہر ایک کو ترقی کے لئے یکساں مواقع اور آسانیاں حاصل ہوں اور ہر ایک اپنی صلاحیت اور قابلیت کے اعتبار سے کام کرنے اور کمانے کے لئے آزاد ہو۔

اس کے بعد

جنھیں ضرورت سے کم حصہ ملا ہے وہ غیرت مند، صابر اور قناعت پسند ہوں۔

اور جنھیں ضرورت سے زائد حصہ ملا ہو وہ ہمدرد اور مخیر ہوں۔

ایسے سماج میں:

نہ مالداروں کو زیادہ مالدار ہونے کی ہوس ہوگی، اور نہ وہ اپنے دوسرے بھائی بندوں کی طرف سے بے غم اور بے خبر ہوں گے۔

اسلام ایسے ہی سماج کو جنم دیتا ہے

یہاں غریب کھاتے پیتوں کو دیکھ کر جھنجھلاتے اور غراتے نہیں۔ اور نہ مالدار عیش و عشرت میں مال اڑاتے ہیں۔

ہمدردی، رفاقت، ایثار اور صبر و شکر

اسلامی سماج کی روح ہے

۱۱

انسان کی اصلیت

کیا ہی اچھا ہوتا اگر انسان اپنی حقیقت اور اصلیت کو سمجھ سکتا۔ کیا ہم نے تمہیں حقیر اور گندے پانی سے پیدا نہیں کیا۔ پھر ہم نے اس حقیر پانی کو تو ہمیشہ شکم مادر میں محفوظ رکھا۔ غرض کہ ہم نے انسان کی پیدائش کے لئے ایک وقت اور اندازہ مقرر کیا۔ ذرا سوچو کہ ہم کیسے عمدہ اندازہ مقرر کرنے والے ہیں کہ ٹھیک اندازے پر انسان پیدا ہو جاتا ہے۔ پھر وہ پل بڑھ کر جوان ہوتا ہے اور زندگی کے دن پورے کرکے چلا جاتا ہے۔ مگر ساری عمر گمراہ ہی رہتا ہے۔ پھر جب یوم حساب ہوگا اس روز ان نافرمانوں اور تکذیب کرنے والوں کو بڑی پریشانی کا سامنا ہوگا۔

خیر اگر تم اپنی اصلیت اور حقیقت کو بھول گئے تھے تو تم نے اس زمین اور کائنات سے بھی کوئی سبق نہ لیا۔ کیا ہم نے اس زمین کو زندہ اور مردہ انسانوں کی پناہ گاہ نہیں بنایا۔ اور ہم نے اس میں اونچے اونچے پہاڑ قائم نہیں کئے اور اسی زمین سے تمہیں میٹھا پانی نہیں پلایا اور تمہاری غذا کا بندوبست نہیں کیا۔ مگر تم سب کچھ بھول گئے۔ یہاں تک کہ اپنے پروردگار کی نعمتوں اور مہربانیوں

کی تکذیب کرتے رہے۔ اسی لئے روزِ قیامت
اور تکذیب کرنے والوں کو بڑی پریشانی کا سامنا

(سورۃ المرسلٰت)

اسی مصنف کی دیگر تصانیف

نمبر شمار	نام کتاب	قیمت
۱	تابِ جواہر	20-00
۲	چند باتیں (ایوارڈ یافتہ)	15-00
۳	مشعلِ راہ	08-00
۴	حفظ القواعد	15-00
۵	نقوشِ راہ	15-00
۶	[illegible]	05-00
۷	روشنی کے مینار	08-00
۸	درِ بے بہا	08-00
۹	نوری چہل احادیث	01-50
۱۰	شعاعِ نور	10-00
۱۱	لمعاتِ ایمانی	10-00
۱۲	مختصر تاریخ عالم اسلام	12-00
۱۳	انسانیت کے چراغ	10-00
۱۴	فردوسِ نظر	08-00
۱۵	[illegible]	05-00
۱۶	[illegible]	12-00

شمار	نام کتاب	قیمت
١٧	معیار انتخاب	زیر طبع
١٨	پیغمبر اسلام غیروں کی نظر میں	//
	تلگو ایڈیشن	
١	کاتی کرما نالو	15-00
٢	کاتی سکھرالو	08-00
٣	مانوا تا دیپمو	08-00
٤	آسان نماز	06-00
٥	کفن ودفن کا طریقہ	02-50
٦	ودیا جیوتی	01-50
٧	نیتی ویلوگولو	زیر طبع

Phone : Shop 523281

SHANTI BINDING WORKS

WHOLE SALE & RETAIL PAPER & BOARD MERCHANT

MFRS OF :

NOTE BOOKS, RECORDS BOOKS, REGISTERS ETC. ETC,

2-8-600, CHATTA BAZAR, HYDERABAD.